سیدین صاحب

از ڈاکٹر شائستہ خان

مجھے آج بھی پوری وضاحت کے ساتھ وہ دن یاد ہے۔ چالیس سے اوپر کی بات ہے، جب گرمی کی ایک تپتی سہ پہر کو میں علی گڑھ پہنچا تھا: عجیب حالت تھی اس وقت ؛ امید و بیم اور مہم سر کرنے کے ملے جلے جذبات طاری تھے اور دل ہی نہیں لبوں پر بھی یہ دعا کہ خدا نہ کرے کہ میں اس نامور ادارہ کا ناخلف سپوت بنوں۔

یہاں مجھے کچھ زبانوں کی شدبُد ہوئی، تھوڑا بہت عظیم تصنیفات کو پڑھنے کا ولولہ پیدا ہوا، اور ساتھ ہی کچھ لکھنے کا اور تقریر کرنے کا شوق بھی۔ یہیں مجھے تاریخ، اقتصادیات اور سیاسیات کے علوم سے کچھ واقفیت ہوئی اور تھوڑی بہت سائنس سے بھی، بس اتنی کہ عام زندگی میں اس کے رول کو سمجھ سکتا، اور اتنی کہ یہ اندازہ ہو گیا کہ اور آنی چاہیے تھی، جس کا اب تک افسوس ہوتا ہے۔

علی گڑھ نے مجھے حیات برتر کو اس کے تمام مظاہر کے اندر تلاش کرنے کی خلش اور کرید بخشی، علی گڑھ نے مجھے علم دیا، اقدار دیں، نصب العین دیئے، ساتھ ہی ایسے ممتاز لوگوں سے تعلق پیدا کرایا، جن کے اندر مجھے شخصیت کا معجزانہ اظہار ملا۔ یہیں پہلی بار ٹوٹی پھوٹی ہندستانی میں میں نے گاندھی کی صور پھونکنے والی آواز سنی، جو قوم کو خود آگاہی کے آداب سکھا رہی تھی، یہیں یونیورسٹی کی مسجد میں پہلی بار مولانا آزاد کو بولتے دیکھا، جنہیں سنتے سنتے تاروں کو جھپکیاں آنے لگی تھیں۔ صبح صادق نمودار ہو رہی تھی، اور وہ کہہ رہے تھے تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔

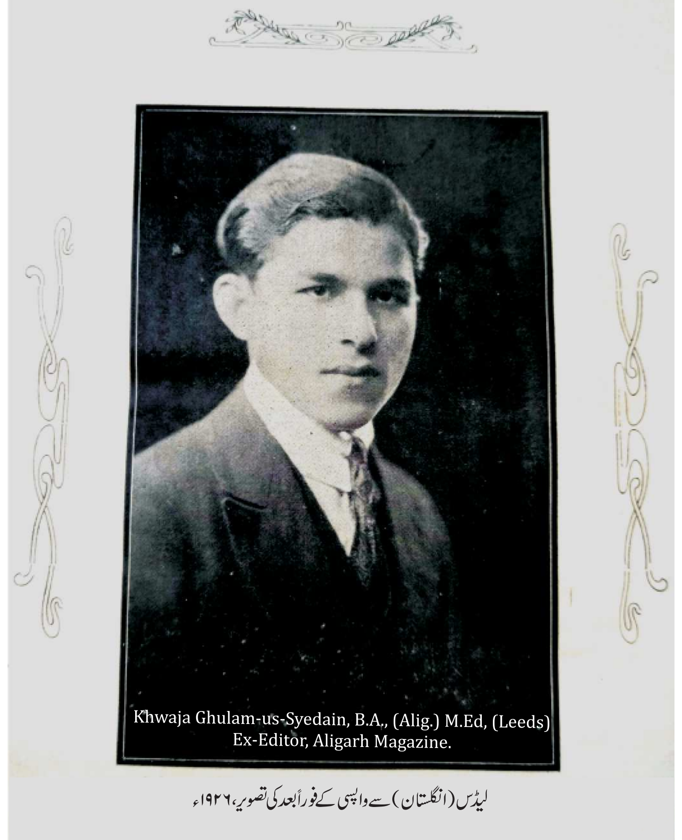
یہیں میں ۱۹۲۶ء کے عظیم جُبلی مذاکرے میں شریک ہوا، جب یونیورسٹی کے طلباء نے ایک بھاری اکثریت نے، متحدہ قومیت کے حق میں فیصلہ صادر کیا تھا۔

یہیں مجھے سر راس مسعود کے ساتھ کام کرنے کا شرف حاصل ہوا، اور اس گہری انسان دوستی کا تجربہ ہوا جو اس شریف دل کی دھڑکن بن چکی تھی، یہیں ڈاکٹر ذاکر حسین کو اپنے ذہن اور شخصیت کو حسنِ تمام میں ڈھالتے دیکھا۔ یہیں طفیل احمد صاحب کو دیکھا، ظاہری ملمعوں سے قطعی بے نیاز، جسم کے اندر سونے کا دل اور فولاد کا کیریکٹر چھپائے خاموشی، لیکن عزم راسخ کے ساتھ سماجی اصلاح اور قومی خدمت کے لئے ہمہ تن اضطراب اور بے چینی! یہیں سید سجاد حیدر (یلدرم) کو دیکھا خلوص اور شفقت کے ساتھ اپنے ملنے والوں میں ادبی ذوق کی جوت جگاتے ہوئے، یہیں اقبال ''افکار اسلامی کی تشکیل نو'' پر اپنے مشہور لیکچر دینے کے لئے آئے اور مجھے انہیں قریب سے دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ یہیں پہلی بار ہندستانی نسائیت کے زیور مسز سروجنی نائیڈو اور اپنی پہلی چانسلر بھوپال کی عظیم بیگم کو دیکھنے کا موقع ملا۔

یادوں کے خزانے سے جو نام جلدی جلدی ابھرتے چلے آئے، ان میں سے چند ایک کا ذکر میں نے کیا، جو میرے لئے سرچشمۂ فیضان بنے ہیں۔ اور یہ ذکر اس لئے کیا کہ ہر وہ شخص جس نے عظمت کو چھو لیا ہے، اس کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ اس سعادت کو جو قسمت کی یاوری اس کے حصہ میں لے آئی، دوسروں میں بھی بانٹے!

پھر، یہی یونیورسٹی تھی جہاں میں نے بطور استاد اپنی زندگی کا آغاز کیا، اور تعلیمات میں نہ صرف اپنا پیشہ بلکہ اپنا شغف بھی دریافت کیا، وہ شغف جو دل سے قریب ترین ہے، اور جس میں خود اظہاری کی کوششیں کی ہیں اور خدمت کا میدان تلاش کیا ہے۔

چالیس سال گزر گئے اس بات کو جب میں انگلستان میں تعلیم کی ٹریننگ لے کر ہندستان واپس ہوا۔ میرا سب سے پہلا تقرر ٹریننگ، کالج (علی گڑھ) میں ہوا۔ جہاں مجھے معلموں کو ٹریننگ دینی تھی۔ اس سلسلہ کے مسائل پر سوچنے اور ان سے نبٹنے کے عمل میں، میں نے ''دی اسکول آف دی فیوچر (The School of the Future) تصنیف کی۔ تقریباً اسی زمانے میں اقبالؒ کی شاعری اور فلسفہ میں میری دلچسپی بڑھتی گئی.... (اور) ''اقبال کی ایجوکیشنل فلاسفی (Iqbals Educational Philosophy)" وجود میں آئی۔ اس اثنا میں مہاتما گاندھی کی قیادت میں ہندستان سیاسی میدان میں آزادی کے حصول کے لئے جدوجہد کرتا آگے بڑھ رہا تھا۔ گاندھی جی نے حیاتِ قومی کے بہت سے، تقریباً سارے میدانوں میں کچھ غیر معمولی اضافہ کیا۔ اسی طرح تعلیم میں بھی اپنی بنیادی تعلیم کی اسکیم کے ذریعہ



لیڈس (انگلستان) سے واپسی کے فوراً بعد کی تصویر، ۱۹۲۶ء

میں حالی کا نواسہ ہوں، جو انیسویں صدی کے مشہور ترین شعراء میں سے ایک ہیں، اور غالبؔ کے شاگرد۔

میری پرورش کٹر مذہبی ماحول میں ہوئی۔

والدہ مرحومہ کی ذات میں، میں نے سب سے بڑھ کر اور سب سے زیادہ واضح طور پر ان صفات کا جلوہ دیکھا، جن پر تہذیب نفس کا دار و مدار ہے، اور جن کی مثال سے مجھ پر یہ حقیقت روشن ہوئی کہ انسانی زندگی محض خود غرضی اور نفس پرستی کی مجنونانہ جدوجہد کا نام نہیں، بلکہ اس سے بدرجہا ارفع و اعلیٰ چیز ہے۔

میرے والد خواجہ غلام الثقلین اپنی آخری عمر میں میرٹھ میں وکالت، سماج سیوا اور اخبار نویسی کا کام کرتے تھے۔ جس میں ان کی توجہ وکالت کی طرف کم اور اخبار نویسی کے ذریعہ سماج سیوا کی طرف زیادہ تھی۔ میں نے بچپن میں اپنی تعلیم کا ایک حصہ اسی شہر میرٹھ میں حاصل کیا تھا۔ خصوصاً قرأت کا فن یہاں کے ایک مشہور استاد سے سیکھا تھا۔ میرے ایک بہت قریبی عزیز (بہنوئی) سید محمد مستحسن زیدی یہیں رہے، یہیں بیرسٹری کی یہیں اپنی شرافت اور قابلیت کی وجہ سے مشہور ہوئے اور یہیں کی خاک میں دفن ہوئے۔

علی گڑھ میں، میں نے چار سال طالب علم کی حیثیت سے گزارے۔ اور تقریباً بارہ برس استاد کی حیثیت سے۔ جب ۱۹۱۹ء میں، میں نے داخلہ لیا تو اس درس گاہ کے ساتھ میرا چار نسلوں کا ساتھ تھا۔ اس وقت سے جب سے حالی نے اس کے عظیم بانی کے ساتھ مل کر اس کی تعمیر میں حصہ لیا تھا، اور سر سید کے نشاۃ ثانیہ کے پیام کو دوسروں تک پہنچایا تھا۔ حالی کے بیٹے خواجہ سجاد حسین اس کالج کے پہلے گریجویٹ، پہلے کرکٹ کپتان اور طلبا کی یونین کے پہلے نائب صدر تھے۔ میرے اپنے چچا اور والد دونوں اسی ادارہ کی ممتاز پیداوار تھے۔

انقلابی اثر ڈالا۔ میں بنیادی تعلیم کی تحریک سے بہت قریب ہوتا گیا، اور یہ قربت نظری اور عملی دونوں ہی صورتوں میں رہی۔ جس کے نتیجہ میں، میں نے بہت سے بیسک اسکول اور ٹریننگ اسکول قائم کرا دیئے، خاص کر کشمیر اور بمبئی کی ریاستوں میں۔ انتظامی امور سے وابستگی نے بہت سے مسائل اور ہر سطح کے معلموں، سے واقفیت کے مواقع فراہم کیے، ملک کے سماجی معاشی اور تہذیبی حالات کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور اب اندازہ ہوا کہ اچھی تعلیم کے لئے اچھا سماج بھی ضروری ہے۔ ''دی اسکول آف دی فیوچر'' میں میری اپروچ یک رخی تھی، اس کا مجھے اب احساس ہونے لگا، وہاں میں نے فرد پر کچھ زیادہ ہی زور دے دیا تھا اور سماجی نظام پر بہت کم توجہ کم تھی۔ اپنے نئے افکار کے پیش نظر میں اسے ''پرابلمس آف ایجوکیشنل ری کنسٹرکشن (Problems of Educational reconstruction) کے نام سے دوبارہ لکھا۔ فرد اور سماج کے رشتہ پر کچھ اور تیز تر فکر ''ایجوکیشن کلچر اینڈ دی سوشل آرڈر (Education, Culture & Social Order)'' کی صورت میں آئی۔

اس اثنا میں ۱۹۴۵ء کے بعد سے مجھے بہت سے ملکوں کو دیکھنے کے مواقع ملے، اور انگلستان، فرانس، سوئزلینڈ، امریکہ، چین، عراق، سوڈان، سعودی عرب، اسیکڈنیویا، یوگوسلاویہ اور یونسکو میں ممتاز ماہرین تعلیم اور دوسرے مفکروں سے ملاقاتیں رہیں۔ پھر آسٹریلیا کا ایک مفید اور دلچسپ دورہ رہا۔ اور مجھ پر یہ امر واضح ہوگیا کہ دنیا کے لوگوں میں آپسی مفاہمت بڑھانے کے لئے زیادہ سے زیادہ کوشش کرنی چاہیے، اور یہ کام لیڈروں اور سائنس دانوں کے ساتھ ساتھ معلموں کا بھی ہے۔ جامعات کے معلموں سے لے کر گاؤں کے معمولی معلم تک سب کا، کہ نہ وہ بتائیں اور ذہنوں میں رچائیں کہ پوری دنیا ایک متحد دینا ہے۔ اور ایٹم بم کے دور میں اپنی اپنی قومی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنانا ایک مہلک کھیل ہوگا، یہی نکتہ ہے جو بڑھ کے ''ایجوکیشن فار انٹرنیشنل انڈر اسٹینڈنگ (Education for International Understanding) میں ڈھل گیا ہے۔

اس کے بعد میری مشغولیات کا دائرہ گوناگوں رہا کیا، لیکن میری فکری اور علمی دلچسپیوں کا مرکز بس ایک پُرپیچ مسئلہ رہا کہ بہتر زندگی کے واسطے تخلیقی فرد کیا کرے اور کیسے کرے۔ یہی تفہیم مستقلاً میری (بعد کی) زیادہ تر تصنیفات کا رہا۔ (یہ سب کام): ایجوکیشن اینڈ دی آرٹ آف لونگ (Education & the Art of Living)[کولمبیا یونیورسٹی لکچر]، آزاد میں کنٹریبوشن ٹو ایجوکیشن (Azad's Contribution to Education)[بڑودہ یونیورسٹی لکچر]، ایجوکیشن آف دی نیشنل کیریکٹر (Education of the National Character)[کشمیر یونیورسٹی لکچر]، دی چیلنج آف فریڈم ٹو ایجوکیشن (The challenge of Freedom to Education) [وِسکانسن یونیورسٹی لکچر]۔

ان کے بعد دو کتابیں مزید (میں نے لکھیں جو) جلد ہی شائع ہو رہی ہیں: یونیورسٹیز اینڈ دی لائف آف مائنڈ (Universities & the life of mind) دی ہیومنسٹ ٹریڈیشن ان انڈین ایجوکیشنل تھاٹ (The Humanist Tradition in Indian Educational Thought)[اور پھر خود یہ تیسری جس میں یہ مقالہ شامل ہے]۔ دی فیتھ آف این ایجوکیشنسٹ(The Faith of an Educationist) ، جس میں نمبر ۶ اور نمبر ۸، اب اس میں شامل ہے۔

میں نے تقریباً چالیس سال تعلیم کے اس میدان میں کام کیا ہے۔ اور گویا اس طرح اپنے آپ کی ماہر تعلیم کہنے کا استحقاق حاصل کر لیا ہے۔ اپنے مطالعہ اور تجربہ کی بنا پر بعض تعلیمی افکار، مقاصد، نظریات اور اقدار کو پسند کرنے لگا ہوں، ان سے وابستگی محسوس کرنے لگا ہوں، اور اب وہ میرے فکری ورثہ اور عقیدہ کا جزو بن چکی ہیں۔

وہ بنیادی اقدار کیا ہیں، جنہیں میں نے شعوری یا غیر شعوری طور سے اپنی زندگی کا آخری غیر متزلزل سہارا بنا لیا ہے؟ وہ آخری نفسیاتی اور اخلاقی سیما کیا ہے)، جس سے پرے جانے کی پھر میرے لئے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے، اور جس سے وابستگی کے لئے میں کوئی بھی معقول قیمت ادا کر سکتا ہوں:

میں نے ہمیشہ پُل بنانے میں دلچسپی لی ہے۔ ان علاقوں کے مابین پل سازی جہاں زندہ روابط ہونے چاہئے تھے، مگر جہاں تحفظ پسندی اور عدم تفاہم کے سبب فاصلے ہی فاصلے ہیں اس خیال میں میرے لئے بڑی کشش ہے کہ زندگی اور تعلیم کے درمیان ایسا پل بناؤں، جو اسکول سے ہوتا ہوا خالقِ کائنات کے ہر مظہر تک لے جائے، نہ کہ کسی خاص تنگ و محدود گوشے تک۔ مجھے یہ احساس مضطرب کئے رہتا ہے کہ ہم چھوٹے خول میں ایسے گھرتے جا رہے ہیں کہ تمام وکمال زندگی فراموش ہوئی جاتی ہے۔ ہم اپنے اپنے پیشوں، مصروفیتوں اور مشغولیتوں میں ایسے اندھتے جا رہے ہیں، جینے کے سلیقہ کی طرف کوئی توجہ ہی نہیں رہی ہے.... ہماری اندرونی زندگی کا مرکزِ ثقل باہر کی جانب کھسکتا جا رہا ہے، اور اندیشہ ہے کہ وہ کہیں اپنی بنیاد ہی نہ کھو بیٹھے۔

دوستی کا حسن، ساتھیوں کے ساتھ گفتگو کا حسن، حسنِ معاملگی، دوسروں کے ساتھ بانٹنے کی آمادگی، اپنی تنہائی میں بھی مگن رہنے کی صلاحیت اور یہ صلاحیت کہ اس تنہائی کو بڑے مصنفوں اور بڑی کتابوں کے سہارے خوشگوار بنایا جا سکے، فن اور فطرت کے حسن میں کھویا جا سکے۔ مجھے یہ احساس مضطرب کیے رہا ہے کہ.... (یہ) تمام وکمال زندگی فراموش ہوتی جا رہی ہے۔

میں اصطلاحات کے چکر میں نہیں پڑتا، نہ صرف یہ کہ اس سے اپنی پیشہ ورانہ کم مائگی چھپی رہتی ہے۔ بلکہ دوسرے کے لئے آسانی سے سمجھ آجاتا ہوں، پھر ایسا بھی خیال رہتا ہے کہ مری بات اتنی تخصص کے لئے نہیں جتنی ان لوگوں کے لئے جنہیں تعلیم سے ایک عمومی دلچسپی ہے۔ اور بہتر ہوگا اگر ہم پر یہ بات روشن ہو جائے کہ تعلیم تو بنیادی طور سے سبھی کی دلچسپی کی چیز ہے۔

[میں نے] لفظوں کو نرمی، صداقت اور جرأت کے ساتھ استعمال کیا ہے، لفظوں کو ہمیشہ خدا کی امانت سمجھا اور اسی طرح برتا ہے؛ لفظ میں ہمیشہ شرافت، دیانت اور انسان دوستی برتی ہے۔ ہمیشہ لفظوں کو انسانیت کے گداز اور حسن میں سمو کر استعمال کرنے کی کوشش کی ہے، لفظوں کو اعتدال اور دلنوازی کے ساتھ برتا ہے۔

میں نے (وزارت تعلیم میں) بحیثیت ان کے جوائنٹ سکریٹری اور سکریٹری کے آٹھ سال سے زیادہ مولانا آزاد کے ساتھ کام کیا(۵۸-۱۹۵۰ء) دہلی آنے سے پہلے میں حکومت بمبئی کا مشیر تعلیم تھا (۵۰-۱۹۴۹ء) اور اس سے پہلے میں نے سابق ریاست رام پور میں چند سال گزارے (۴۷-۱۹۴۵ء)۔

(۱۹۵۲ء میں) ''اب عمر کی اس منزل میں آچکا ہوں، جب عام حالات میں مجھے اپنے کو بوڑھا سمجھنا چاہیے۔ لیکن میں زمانۂ سابق میں اور اب تک بچوں اور نوجوانوں کے ساتھ اپنا اتنا بہت سا وقت گزار اکیا ہوں کہ مجھے شاید یہ کہنا بے زیب نہ ہو کہ میں نے ابھی تک عمر کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے ہیں۔

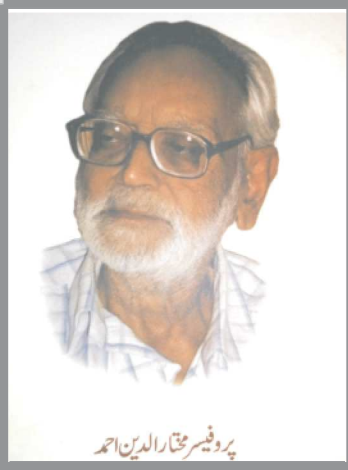
[اور ۸ دسمبر ۱۹۷۰ء کو انتقال سے ایک برس پہلے] ''جیسے جیسے میں بوڑھا ہوتا جاتا ہوں اور میری کشتی ندی کے دوسرے کنارے کی قریب ہوتی جا رہی ہے، جو زندگی کی آخری تقدیر ہے، یہ خواہش مجھے بے چین کئے رکھتی ہے کہ میں نوجوانوں سے اپنا تعلق قائم رکھوں!

نقشِ دوام : بہار اور علی گڑھ کا ایک بڑا نام

مصنف: پروفیسر مختارالدین احمد، مرتب: ڈاکٹر طارق مختار

سرِ ورق پر مختارالدین صاحب کی تصویر اس کتاب کی زینت بڑھا رہی ہے، ایسا ہی زینت افزا وہ انتساب ہے جو ڈاکٹر طارق مختار نے ریاض صاحب کے نام کیا ہے۔

''انتساب: استاد محترم، اردو عربی ادبیات کے عظیم محقق و دانشور پروفیسر ریاض الرحمٰن خاں شروانی کے نام''



آرزو صاحب کے نام سے احباب میں مشہور، پروفیسر مختارالدین احمد معروف تو ہوئے، مرزا غالب کے اکسپرٹ کی حیثیت سے، یا پھر معاصر ادبا و شعرا کے مکتوبات (بنام آرزو صاحب) سے۔ ان کی ہمیشہ یاد دلانے والی تحریریں وہ ہیں جو ڈاکٹر طارق مختار نے نقش دوام کے نام سے جمع کر دیں ہیں۔ ان خاکوں میں ایک دلچسپ خاکہ ''قیوم قائد'' کا ہے۔ نام تو قیوم قادر تھا، لیکن دوستوں میں قیوم قائد مشہور ہوئے،

مشتملات: • یادوں کے چراغ • جہاں چھاؤں گھنی ہوتی ہے • ان سے ملئے: قیوم قائد • پھول کھلے ہیں گلشن گلشن • زہے روائی عمرے کہ در سفر گذرد • آکسفورڈ سے • سر ضیاء الدین احمد: کچھ یادیں، کچھ باتیں • پروفیسر نذیر احمد • پروفیسر نظیر صدیقی • شرف عالم آرزو جلیلی • سید ظہیر الدین علوی • مسعود حسین خاں: چند تاثراتی نقوش • ڈاکٹر ذکی الدین: علی گڑھ کا ایک ممتاز سائنس داں • سرسید کے ایک رفیق: منشی نجم الدین • قاضی سید رضا حسین عظیم آبادی • ملا محمد سعد پٹنوی • سید مرتضیٰ حسین بلگرامی • شمس العلما ڈاکٹر ضیاء الدین خاں دہلوی • شیخ عبدالحق حقی بغدادی • طفیل صاحب سے ایک ملاقات • ڈاکٹر اسٹرن • دو بلخی برادران • جمیل الدین عالی (کچھ یادیں کچھ باتیں) • مشفق خواجہ • مولانا احسن مارہروی (کچھ یادیں کچھ باتیں) • ڈاکٹر ابواللیث صدیقی • مولانا عبدالحکیم ارمان- کچھ ذاتی تاثرات • عبدالاحد فاطمی • آٹھویں صدی ہجری کا ایک نامور عرب مصنف (صلاح الدین صفدی) • علامہ عبدالعزیز المیمنی کی زندگی و تصانیف • علامہ میمن کا ایک نہایت ممتاز شاگرد: ڈاکٹر نبی بخش بلوچ • ڈاکٹر سید محمد یوسف • امام احمد رضا کا شخصیتی جائزہ۔

ان سے ملئے

قیوم قائد

از پروفیسر مختار الدین احمد (آرزو)

اگر آپ کسی ایسے شخص سے ملنا چاہتے ہیں جو سائنس، نفسیات، معاشیات، سیاسیات، ادبیات، تاریخ، معاشرت، فلم، یوگا اور مختلف موضوعات پر بلا تکلف اور بھرپور، اور ہر موضوع پر ایک اختصاصی کی طرح آپ سے گفتگو کرے تو میں مشورہ دوں گا کہ ایسے شخص سے پہلے آپ قیوم قائد سے ضرور مل لیں۔

آیئے پہلے پہچان لیجئے تا کہ آپ کو تلاش میں زحمت نہ ہو۔ چھوٹے قد کے بڑے تندرست سے آدمی۔ سرخ رو اور سفید رنگ والے، آنکھیں عزم سے بھرپور، کھدر کا کرتا پائجامہ، موسم سرما میں جواہر صدری، بھی زیب تن ہوتی ہے۔ سردی زیادہ ہوئی تو گاندھی ٹوپی اوڑھ لیں گے۔ کہیں عوام میں تقریر کرنی ہو تو سبھاش چادر کا اضافہ ہوجائے گا۔ پاؤں میں ہمیشہ پیشاوری چپل، سیدھے ہاتھ میں پورٹ فولیو، جس میں کاغذات کے علاوہ کبھی کبھی ایک آدھ جوڑی کپڑے کے اور پیسٹ کنگھا وغیرہ بھی ہوتا ہے۔ الٹے ہاتھ میں کیپسٹن کاٹن، لبوں کے ایک گوشے پر خفیف سی مسکراہٹ، دوسرے گوشے میں سگریٹ دبی ہوئی، یہیں سلگتی ہے اور یہیں خاکستر ہوجاتی ہے۔

کے ساتھ بیٹھے گفتگو کرتے رہتے ہیں اور انھیں سیاست کی نیچ اونچ سمجھاتے رہتے ہیں۔ میں ان سے پوچھتا ہوں: ''آپ کیوں وقت ضائع کرتے ہیں؟'' ایسے موقعوں پر بڑی ٹھنڈی سانس لے کر کہتے ہیں ''بھئی قوم وملک کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا ہے۔''

ممتاز ہوسٹل اور عثمانیہ کے درمیان جو دو رویہ درخت ہیں ان پر گفتگو ہو رہی تھی کہ ایک اسکالر جو نظیرا کبر آبادی سے بڑے متاثر ہیں اور اسماعیل میرٹھی کے ہم وطن ہیں اور جن کے بارے میں یہ بجا توقع تھی کہ مناظر فطرت پر ان کا خاص مطالعہ ہوگا، مصر تھے کہ یہ آم کے درخت ہیں، قائد کہتے تھے کہ یہ اشوک کے پیڑ ہیں۔ کہنے لگے میں نے بچشم سر ان درختوں میں آم لگے دیکھے ہیں، جواب میں بولے: ''آپ نے خواب میں دیکھا ہوگا۔'' ان کا جب اصرار بڑھا تو نہایت سنجیدگی سے بولے ''اب اس وقت درختوں میں آم لگے ہوئے ہیں یا نہیں؟'' کہا ''میں نے کئی سال پہلے دیکھا تھا۔'' قائد نے کہا: ''آپ نے ٹھیک دیکھا ہوگا ہر پانچ سال کے بعد اشوک میں ایک سال آم کے پھل آجاتے ہیں۔'' وہ نہ مانے اور کئی دن تک فیصلہ نہ ہو سکا کہ درخت آم کے ہیں یا اشوک کے۔ تو قائد نے اسکالر صاحب کو ساتھ لیا اور کہا چلئے۔ قصہ زمین برسر زمین، وہاں پہنچ کر ایک بیرے کے لڑکے سے جو گلی ڈنڈا کھیل رہا تھا، بولے: بیٹے یہ تو بتاؤ یہ کس چیز کا درخت ہے بولا اشوک کا۔ اسکالر اب بھی نہیں مانتے کہ وہ درخت اشوک کے ہیں۔

کچھ دن یہاں رہے تو اور جوہر کھلے اور معلوم ہوا کہ ادبیات وسیاسیات اور دوسرے علمی موضوعات ہی نہیں بلکہ عملی زندگی کے مسائل پر بھی بڑی گہری نظر ہے اور اس عمر میں بڑے بڑے تجربے سمور کھے ہیں۔ مشتاق صاحب کو عقیقے کے لیے بکرا خریدنا تھا وہ مول تول کر ہی رہے تھے کہ حضرت پہنچے اور بکرے کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ کر مسلم اسے اٹھالیا اور کہنے لگے کوئی ۱۱ سیر گوشت نکلے گا، کاٹا گیا تو تولا تولہ صحیح نکلا۔ ۵۔ حالی روڈ کے سامنے کے کمرے میں بیٹھ کر ماریسن روڈ پر جانے والی ایک ٹوکری کے متعلق کہہ بیٹھے کہ اس میں خربزے ہیں اور واقعی خربزے ہی نکلے۔ گلاس کا رنگ دیکھ کر بتادیں گے کہ اس میں فالسہ کا شربت ہے یا شہتوت کا، اور چائے کے ایک گھونٹ سے ان پر منکشف ہوجائے گا کہ یہ بروک بانڈ کی کون سی برانڈ ہے۔ دسترخوان دیکھتے ہی حکم لگادیں گے کہ گھر والی سلیقہ مند ہے یا نہیں اور آپ کو کتنا چاہتی ہے۔

ایک بار ادبیات میں دلچسپی رکھنے والی ایک ننھی منی کامنی سی لڑکی کا ذکر تھا۔ ذوق ادب کے ساتھ اس کی شائستگی اور نفاست کا بھی دبی زبان سے ذکر آگیا، متفکر ہو کر بولے:

ان کے ڈرائنگ روم کے پردوں کا رنگ صوفے کے رنگ سے میچ Match کرتا ہے؟ گلدان میں پھول کس رنگ کے ہوتے ہیں۔''

میں نے پہلی بات کا کیا جواب دیا یاد نہیں، دوسرے سوال کے متعلق میں نے کہا:

''پھول گرمی کی تمازت کی وجہ سے خشک ہوجاتے ہیں کہ اصلی رنگ کا پتہ نہیں چلتا۔''

فخریہ بولے ''ہوں! تو پھول روزانہ بدلے نہیں جاتے۔''

میں نے کہا ''پھول بدلنے کا خیال تو ہے لوگوں کو لیکن وہاں آس پاس میں پھول زیادہ ہوتے نہیں شاید۔''

پوچھا آپ نے وہاں کبھی چائے پی ہے؟

میں نے کہا ایک آدھ بار، کیسی تھی؟ اچھی خاصی، اچھی خاصی کیا چیز ہوتی ہے۔ صاف بتایئے پیالیاں صاف تھیں یا نہیں، پرچ میں چائے گری ہوئی تو نہیں تھی، شکر زیادہ تھی یا کم، فلیور کیسا تھا، اتنی باتیں پوچھ گئے کہ میں حافظہ پر زور ڈالنے لگا، مجھے کچھ کبیدہ سا دیکھ کر نرم لہجے میں بولے: بھئی جب تک کوئی بہت نفیس چائے سلیقے سے نہ پلائے آپ کو، آپ اس کی نفاست پر ایمان نہ لے آئیں۔

میں نے احتجاجاً کہا چائے کی نہیں کہتا لیکن پان بہت اچھے بناتی ہیں،'' خفا ہو کر بولے: ''ڈھنگ کی بات کیجئے چہرے پر ڈاڑھی بڑھالی آپ نے اور چائے اور پان میں اب تک تمیز نہ کرسکے۔''

رشید صاحب غسل خانہ دیکھ کر صاحب خانہ کی طبیعت وشائستگی کا پتہ چلا لیتے ہیں اور قائد گھروں کی بنی ہوئی چائے سے اندازہ کر لیتے ہیں۔ اس معاملہ میں واقعی ان کی نظر بڑی دوررس ہے۔

چندہ لینے اور دینے دونوں میں فن برتتے ہیں، یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کس کے زیادہ ماہر ہیں۔ کان کے کچے اور اصول کے پکے ہیں۔ غلط بات اور جھوٹا وعدہ کبھی نہیں کرتے۔ ایک صاحب کو علی گڑھ میں ان کے سلسلے میں بڑے کام کرنے تھے وہ کہنے لگے: ''مٹھائی کھلائیں گے نا؟ نہایت صفائی اور عزم سے بولے: صاحب وعدہ نہیں کرتا، ہم لوگ حیرت سے منہ تکنے لگے۔

بھاری جسم کے آدمی ہیں، رکشا پر بیٹھ جائیں تو آپ کے لیے جگہ نہیں رہے گی، ہم لوگ عام طور پر انھیں تنہا ہی بیٹھنے دیتے ہیں، پھر بھی شکایت کرتے ہیں، علی گڑھ کے رکشا کشادہ نہیں ہوتے۔''

وہ چائے پر لسّی کو ترجیح دیتے ہیں اور گوشت پر سبزی کو۔ وہ سیاست میں انگریز، عمل میں مسلمان اور صحت وصفائی کے معاملہ میں ہندو ہیں۔ بریانی اور کباب ان کی پسندیدہ غذا

ہے، کہتے ہیں کہ بھنا ہوا مرغ بھی اس شرط پر کھا سکتا ہوں کہ آخر میں 'کافی' ضرور ہو، جس میں بالائی عمدہ اور وافر ہو۔ غذا میں 'کیفیت' کے اتنے قائل نہیں جتنے 'کمیت' کے، پانی بے تحاشا پیتے ہیں ایک جھنجھر صبح اور ایک شام کو ختم کر دینا تو بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔

بڑے خلوص اور عقیدت سے سوتے ہیں اور ان کے ہر وقت سو پڑنے کے امکانات ہیں، شب میں کھانا کے بعد سگریٹ سلگائی ہے باتیں شروع ہوئی ہیں ابھی بحث جاری ہی ہے کہ آپ کو ان کے خراٹوں کی آواز سنائی دے گی جیسے یہ بھی ان کی بحث یا دلیل کا کوئی جزو ہو۔

وہ تقریر کر رہے ہیں: آیئے میں آپ کو اشتمالیت کے بنیادی نقائص بتاؤں۔

نمبر ایک--------

نمبر دو--------

نمبر تین (خراٹے کی زوردار آواز)

ہندو قوم کے فلسفے اور ان کے رقص و سرود کے بڑے قائل ہیں اگر وہ کسی ایک مذہب کے پابند ہو کر رہ سکتے ہوتے تو اس میں شک نہیں کہ وہ مہاتما بدھ کے بہت کامیاب چیلے ہوتے۔ سیاسی عقیدے کے لحاظ سے اشتراکی ہیں اور اشتمالیوں سے بڑے ناراض، کہتے ہیں کہ ان کے اصول ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں اور ان کے ادیب پمفلٹ باز ہیں۔ خود بڑے وسیع المعلومات ہیں، اپنے سیاسی افکار کے اونچ نیچ اور پیچ و خم کو تو سمجھتے ہی ہیں ساتھ ساتھ دوسری سیاسی جماعتوں کے افکار اور کرتوت سے بھی بہت اچھی واقفیت رکھتے ہیں۔ محمود الظفر صاحب ابھی ماسکو سے تازہ تازہ علی گڑھ آئے ہوئے تھے، ایک نجی صحبت میں تقریر کرنے والے تھے، میں انھیں قصداً وہاں لے کر پہنچا کہ اشتمالیوں سے ان کی بدظنی تو دور ہو۔ واپس آ کر حسرت سے بولے: ''آپ نے وقت ضائع کیا، ایک بات بھی نئی نہیں تھی۔''

بولتے کم ہیں لیکن جب بولنے پر آ جائیں تو آپ انھیں چپ نہیں کرا سکتے۔ ایک زمانہ میں پانچ پانچ گھنٹے اپنے کمرے کی چوکی پر بیٹھ کر بولنے کی مشق کرتے تھے، ۴۲ء میں حکومت کے خلاف اور تجویز ''ہندوستان چھوڑ دو'' پر حسب دستور اپنے کمرے میں بیٹھے تقریر کر رہے تھے کہ حکومت بہار نے انھیں گرفتار کر لیا اور سال بھر تک اپنا مہمان بنائے رکھا۔ مبادا وہ پھر چوکی پر واپس آ کر تقریر شروع کر دیں اور پڑوسیوں کو سرکار کے خلاف ورغلائیں۔

میری اور ان کی دوستی کی عمر پندرہ سال سے زیادہ کی ہے، جب ہم دونوں مکتب میں پڑھا کرتے تھے، مجھ میں اور ان میں بڑا تضاد ہے اور زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ ٹھہرے خالص سیاسی آدمی، میں ادب کا شیدائی، وہ ادب کو زندگی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہیں تو میں سیاست کو کالک کی کوٹھری تصور کرتا ہوں۔ میں پلانٹر کا شیدائی وہ لیچیوں کے رسیا، میں دبلا پتلا وہ موٹے اور تندرست، میں کالا وہ سفید، میں لانبا جس میں طول ہی طول عرض نام کو نہیں، ان میں عرض ہی عرض طول کا کہیں پتہ نہیں، میں ہر محبت کو جلدی سے دوستی میں تبدیل کر دینے والا، ان کی زندگی محبت کی کامرانیوں اور فتوحات سے معمور، میں جاڑوں میں ہفتہ میں دو بار نہا لوں تو زکام میں مبتلا، وہ کسی دن تین بار سے کم نہائیں تو موڈ خراب ہونے کا اندیشہ، میں کھانے میں تیسری چپاتی کے بعد اٹھنے کی تیاری کرتا ہوں تو وہ پانچویں چپاتی کے بعد اور جم کر بیٹھتے ہیں۔ میں چائے کی تیسری پیالی میں عابد شب زندہ دار بن جاتا ہوں تو وہ چوتھا پیالہ پی کر بھی سکون سے سو جاتے ہیں۔

ان چھوٹی چھوٹی باتوں کے علاوہ عادات و اخلاق، افکار و عقائد کی ایک لمبی فہرست ہے جس میں ہم دونوں ایک دوسرے کی ضد، فریق اور حریف ہیں لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ اس طویل عرصے میں ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی مسئلہ پر معمولی سی شکر رنجی بھی کبھی ہوئی ہو قدرت کی طرف سے جو دل میں خلوص و محبت کا جذبہ اور صبر و ضبط کی طاقت وہ لے کر آئے ہیں اس کا یہ بہت معمولی سا مظاہرہ ہے، لیکن کس قدر شاندار اور مکمل۔

***

ڈائری کا ایک ورق

ہمارے بہت پیارے دوست نے جو حکیم بھی ہیں، شان سے، سلیقے سے، اور مزے سے زندہ رہنے کے جو نسخے بتائے ہیں ان میں سب سے، اہم پہلے نمبر پہ یہ آتا ہے کہ: بود و باش ہو تو علیگڑھ کی ہو: سرسید کی نگری۔ ایک طرف سرسید ہال کی شاندار عمارتیں ہیں، دوسری طرف ممتاز، آفتاب، مکڈانل کی قطار اور وہ ٹیڑھی میڑھی سڑک جو طیب جی نے سیدھی کر دی تھی، بالکل اپنی طرح کڑی کمان کا تیر۔ گیسٹ ہاؤس ایک طرف، کلب دوسری طرف، مقبول صاحب کا قائم کردہ ادارہ ویسٹ ایشین اسٹڈیز ایک طرف، اور اس سے ملا مغرب میں موریسن کورٹ، جنوب میں اسلامک اسٹڈیز۔ اسلامک اسٹڈیز سے، حالی روڈ ہوتے ہوئے پھر واپس، (مختار الدین آرزو، خلیل الرحمان اعظمی، مشتاق صاحب، انجم اعظمی اور قیوم قائد کی پہلی قیام گاہ۔ حالی روڈ سے پھر واپس طیب جی روڈ یا زیادہ سہی موریسن روڈ پر آ گئے اور پھر سرسید ہال کی طرف چل پڑے تو، اسٹاف کلب کی پشت پر نذیر احمد روڈ یا نذیر احمد کی گلی آگئی۔ ہم پھر سرسید ہال والی روڈ پر چل پڑے اور چلتے چلتے مکڈانل ہاؤس کی آخری دیوار آ گئی اور سامنے شمشاد کو جانے والی روڈ شروع ہو گئی۔

تو یہ سڑک ہے، مکڈانل سے مشرق کو چلتی ہے تو، کلب اور گیسٹ ہائس کے بیچ و بیچ آ کے سانس لیتی ہے۔ اس سڑک پر چلنے کا ایک اپنا اور ہی مزہ ہے۔ اور دس پانچ منٹ اس کو آر پار کر لیں تو علیگڑھ کی عطر بیز فضائیں سانسوں میں جذب ہوتی جاتی ہیں۔

تو پہلی بات تو ہوئی علیگڑھ کی بود و باش۔ دوسری بات ہوئی: کتاب کا ساتھ۔ اگر اس علم و ادب کے گہوارے میں کتاب کا ساتھ نہ رہا، تو سمجھو زندگی اکارت گئی۔

علیگڑھ، اور علیگڑھ میں کتاب کا ساتھ، اب زندگی مکمل ہوگئی۔

مگر ہر یکسانیت اپنے ساتھ، ایک ناگزیر بوریت بھی لاتی ہے اگر الٹ پلٹ نہ کرتے رہو: محفلوں کو کتابوں کو، لوگوں سے ملنے جلنے کو، کھانے پینے کو، نئی پرانی راہوں کو: سب میں تبدیلی لاتے رہو تو زندگی بڑھ جاتی ہے۔

اور سب سے بڑھ کے تو حکیم دوست ظل الرحمٰن صاحب کا وہ نسخہ ہے جسے خوشدلی سے جینا کہتے ہیں۔

●

احمد ندیم قاسمی

اقبال کے بعد اس عہد کا سب سے اہم دانشور شاعر کہتا ہے:

جاں بچا لائے ہو لیکن یہ زیاں تو دیکھو — کتنا ویران ہے، تا حد نظر منظرِ دار
انسان عظیم ہے خدایا — جس نے ترا آسماں بنایا
کون کہتا ہے کہ موت آئی تو مر جاؤں گا — میں تو دریا ہوں سمندر میں اتر جاؤں گا
کچھ کھیل نہیں ہے، عشق ہے یہ — یہ زندگی بھر کا رت جگا ہے
جس بھی فنکار کا شہکار ہو تم — اس نے برسوں تمہیں سوچا ہوگا

●

27 مارچ سرسید کے عرس کی تاریخ ہے۔ وہ عرس کا لفظ اپنی نسبت سے سنتے تو بہت برا مانتے۔ مانیں! مگر ہم تو من مانی کریں گے۔ 27 کو آخری سانس لی اور 28 کو تدفین ہوئی تدفین پر دو شریف ترین ادیبوں (سرور صاحب اور احمد ندیم قاسمی) نے اپنی یادگار تحریر میں علی گڑھ کو آخری چندہ دے دیا۔ کیا غضب کی تحریر ہے، جو احمد ندیم نے پاکستان میں لکھی اور سرور صاحب نے ہماری زبان میں نقل کی۔ کیسی دلدوز تحریر تھی اور کیسی دلسوزی سے لکھی گئی تھی۔ اب تو اس کی صحت پر تو لوگوں میں اختلاف ہو گیا لیکن بعض افسانے بھی حقیقت سے زیادہ خوبصورت ہوتے ہیں۔ سچ نہ ہو تو بھی ایسی ڈرامائی تحریر برسوں زندہ رہتی ہے۔

●

رشید احمد صدیقی: خورشید مصطفیٰ کی کتاب میں

علی گڑھ کی طالب علمی سے مسلم یونیورسٹی کی وائس چانسلری تک، ہر معرکہ کا سامنا کرنے میں ذاکر صاحب نے Initiative (جرأت اقدام) ہمیشہ اپنے ہاتھ میں اور اس اعتماد اور حسنِ تدبیر سے رکھا جو ذاکر صاحب ہی کا حصہ تھا۔ جس سے وہ اپنے ہی نہیں، ہر قبیلے کی آنکھ کا تارا بنے رہے۔

●

ڈاکٹر اصغر عباس کو ان کی ادبی خدمات پر اردو اکیڈمی کا پانچ لاکھ کا انعام۔ مبارکباد ہو!

***

Aligarh Diaspora - 6

Launched to mark the Finalé (December 2021) of AMU Centenary Celebrations 2020-21

K.G. SAIYIDAIN

by Dr. Shayesta Khan

K.G. (Khwaja Ghulamus) Saiyidain was one of the finest products of Islam in modern India. As good in rendering English into Urdu, as Urdu/Persian into English, his first major work on lqbal's educational Philosophy has become a classic on lqbal studies, and Saiyidain has been too well known to the students of lqbal to be introduced at length. While Principal at Aligarh Teacher's Training College he wrote his pioneer work. Thereafter Iqbal remained a close companion throughout his life: his guide his teacher, his bosom friend. And he has imbibed lqbal's spirit to such an extent that one would wonder if Iqbal could have translated his verses more faithfully in letter and spirit than Saiyidain did. Quite a few of us may not perhaps be aware of the translations of his verses made by lqbal himself. A few of them are as under:

چناں بزی کہ اگر مرگ تست مرگ دوام
خدا ز کردہ خود شرمسار تر گردد

Live so beautifully that, if death is the end of all,

God himself may be put to shame, for having ended thy career.

یقین اللہ مستی خود گزینی
یقین مثل خلیل آتش نشینی
سن اے تہذیب حاضر کے گرفتار
غلامی سے ہے بدتر بے یقینی

Truth in God is ecstasy and emancipation,

Like Khalil to sit in conflagration.

Hark ye o slave of present civilization!

Infidelity, than bondage is worse, an occupation.

lqbal is superb, at least in these two translations, equally excellent in English (tr.) as in his Urdu/Persian verses in original. However, after reading Saiyidain you would agree with me, that lqbal could not get a better interpreter than Saiyidain.

♦♦

It will be interesting to compare two translations of lqbal's same verse by Saiyidain made at two different points of time. lqbal's verse in original reads as follows:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

The translation which we have included in the text reads as follows:

Elevate thy ego, so that, Before God determines thy fate,

He should first ask: 'What is that thou desirst'.

The alternative rendering which we didn't include in the present text is as under:

Exalt thy ego so high, That God Himself will consult thee

before determining thy destiny

The son of the famous social worker Khwaja Ghulamus Saqalain, born in Oct. 1903 [officially in Oct. 1904] in Panipat in the family of Khwaja Altaf Husain Hali*[1], he graduated from Aligarh, specialized from Leeds (U.K.) and joined Aligarh (Muslim University) in the late twenties. He soon became Principal, University Teachers Training College and remained associated with his alma meter (for 4 years as student and) for 12 long years as teacher. Later he served the Governments of Kashmir, of Rampur State, and of Bombay, followed by the Govt. of India, Ministry of Education under Abul Kalam Azad. He wrote more than two dozen books in English and Urdu. He passed away in 1970 and is survived by his three daughters, among them Syeda Saiyidain Hameed. For his monumental work, *'Andhi meiN charAgh'*, he won the Sahitya Akadmi Award, which in those days was considered a prestigious one.

●

Luckily, most of the details briefed above, have been penned down by the great lqbalist himself, in some of his English writings, which rendered into Urdu have since been incorporated in *'AfkAr-e Saiyidain'*.

●

Lying scattered throughout his books, his articles and addresses, his renderings into English of lqbal's Persian/Urdu verses have been collected, in bits, from Saiyidain's well-known, less known, and sometimes rarely known writings.

●

Speaking in first person singular, lqbal has been inspiring me from my school days. His poems written for youngsters, made into a beautiful melody by some of the most excellent master-singers, now available on audio-cassette *'Iqbal Bachchon ke liye'* still brings me into sweet ecstasy. Like Saiyidain Saheb, Iqbal has become for me a life-long friend who leads me like a kindly light. And, Saiyidain Saheb has been close to my heart on yet another account; he half-belonged to Rampur, my home-town: Aziz Jahan Saiyidain being a daughter of that former princely State. As the chief architect of the entire edifice of modern education in Rampur state, he is still well-remembered there with love and respect, and thereby all the more has become a lovely figure for me. Last but not the least, I have heard so many things about him, all of them most sweet memories, from my Baba, that sometimes I feel very much deprived, very sorry, of not having seen him, having listened to him, while I passed my early years in Delhi itself, his last abode: My God! Why I was not born earlier to be able to see the stalwarts of lndo-Muslim Culture!!

---

[1] * Of whom Iqbal had said:

طواف مرقد حالی سزد ارباب معنی را
نوائے او بجانہا افگند شورے کہ می دانم

And of whom Iqbal had further said:

آں لالۂ صحرا کہ خزاں دید و بیفسرد — سید دگر اُو را نمی از اشکِ سحر داد
حالی زِ نواہائے جگر سوز نیاسود — تا لالۂ شبنم زدہ را داغِ جگر داد

(محمد اقبال، ۲۴ جون ۳۰ء، لاہور)

IQBAL as translated by K.G. Saiyidain

1. Although I have not been able to express it very attractively,
Perhaps my words may evoke an echo in thy heart.
Religion is either a lauding of God's name
In the wide expanse of the heavens,
Or passive prayer of turning of beeds in the lap of the night.
That is the religion of self-conscious God-intoxicated men,
This is the religion of the priest, the trees & the stones.

2. If the Muslim is a Kafir he can neither conquer nor renounce the World,
If he is a Momin, (man of true faith) he is a king even when he has renounced the World.
If he is a Kafir, he relies on the sword,
If a Momin he carries on the good fight without it.
If he is a Kafir, he is a slave of his own fate,
If a Momin, he forges his own fate in the name of the Lord".

3. Elevate thy ego so that,
Before God determines thy fate,
He should first ask 'What is that thou desirst'.

4. Every moment the Momin reveals new graces, new charms.
In his words and actions he bears testimony to God.
Righteous indignation & forgiveness, purity and power,
When these four elements combine, they make a true Muslim.
His will judges the purposes of Nature,
He is like the dew that cools the heart of the poppy,
And the storm that frightens the heart of the rivers.

5. He alone is the Leader of thy age
who makes thee discontented with the near and the immediate.

6. Love plunged unafraid in the fire kindled by Namrud,
While reason still watched continuously from the rooftop.

7. Hard his lot and frail his being like a rose leaf,
Yet no form of reality is so powerful,
So inspiring and so beautiful as the spirit of man.

8. Out of the head of hundred donkeys,
The creative thinking of a gifted individual cannot emerge.

9. If the pattern is poor, Lord; what good is repetition?
Does this cheapening fashion a new pattern,
Lord, create a maturer Man,
It does not behove thee to make these clumsy toys of clay.

10. Look thy own clay for the fire that seems dead,
Borrowed light is not worth striving.

11. Flash over hills and deserts, flash over dales and gardens,
The lightening that revolves round itself dies in the heart of the cloud.

12. Out of the wealth of my imagination,
A hundred Worlds take shape, like flowers;
Why hast Thou alone created this one sorry world, steeped in despair.

13. Fettered & cramped,
Life is like a little sluggish rivulet;
Free, it becomes the boundless ocean.

14. Fast and furious blows the storm;
But calmly lights his lamp,
The man of God whom he has given,
The attributes of a king.

15. The individual exists because of the bonds,
That links him up with the commune;
Alone, he is naught.
Even as the wave has an entity as part of the river,
Outside it, it is naught.

16. Glowing with the kight of a self thou art,
Make self strong and thou wilt endure.
Knowing as I do the harmony of life,
I will reveal to thee its hidden secret:
'Tis to sink into thyself like the pearl,
Then to emerge from thine inward solitude;
What is life but to be freed from moving round others,
And to regard one self as the Holy Temple.

17. Feast not on the shore, for there
Safely breathes the tune of life;
Grapple with the waves & dare,
Immortality is Strife.

18. O, heart, Look for the secret of life in bud;
For reality is revealed in its Appearance.
It grows out of the darkness of the earth,
But its gaze is fixed on the lustre of the sun.

19. A single uncontrolled manifestation of Intellect,
May set the whole world ablaze;
Tutoured by Love, it can illuminate the universe.

20. No matter if you are the ruler of a land,
Forego not the quality of Faqr at any price;
Many a man, gifted with true discerment & clear vision,
Becomes debased by excess of riches;
For it saps the heart of all sypmpathy,
And substitutes arrogance for gracious humility.

21. They have disrupted the idea of fraternity,
And built the structure of the community on a geographical basis
When the country is installed as the only beacon light,
Mankind is split up into tribes;
Humanity has become a mere fable,
And man a stranger to man,
The soul has escaped from the body, leaving only the corpse behind;
Humanity is lost, only the nations remain.

22. Life without change is caught in the stillness of death,
A nation's soul is quickened in the stresses of Revolution,
Like a tempered sword in Destiny's hand is the nation,
That sits in constant judgement over its deeds.

23. Without the hearts' warm blood coursing through them,
All creations are imperfect,
And music is naught but an empty mania.

24. He has been able to trace in the courses of the stars,
But is unable to travel in the world of his ideas;
He has so lost himself in the labyrinths of his mind,
That he cannot distinguish between right and wrong;
He has ensnared the rays of the sun,
But failed to illumine the dark night of his life.

25. Time is a great blessing;
While it kills and destroys,
It also brings out the hidden possibilities of things.

26. Personal Immortatlity is not one's by right;
'Tis to be achieved by personal effort,
Man is only a candidate for it.

27. The hand of the Momin is the hand of God,
Powerful, creative, efficient and helpful,
He is made of clay but has the quality of Light;
Is a creature of God but shares in his attributes.
He is soft of speech but strenuous in quest,
His purity of heart and conduct remains unsullied in peace & War
Few are his desires, but high his aspirations,
His manners, charm and his glance warms the heart.

28. God asked me; 'Is this world of mine congenial to thee'
I said: 'No', and he answered: 'Then shatter it to bits'.
Shatter this sorry scheme of things entire,
And mould it nearer to the heart's desire.

29. Love is the wayfarer, with its thousand habitations
Love is the singer's plucking song from the chords of life
Love is the brightness of life, love is the fire of life!
Everything is preoccupied with self-expression,
Every atom a candidate for greatness!
Life without this impulse spells death;
By the perfecting of this individuality man becomes like God!.
The force of individuality makes the mustard seed into a mountain,
Its weakening reduces the mountain into a mustard seed!
Thou alone art the Reality in this Universe.
All the rest is mirage!
Since the life of the Universe comes from the strength of the self
Life is in proportion to this strength;
When a drop of water gets the self's lesson by heart
It makes its worthless existence a pearl!
As the grass discovered the power of growth in its self,
Its aspiration clove the breast of the garden!
Because the Earth has a being that is firm,
The captive moon goes round it perpetually!
The being of the Sun is stronger than that of the Earth,
Therefore is the Earth bewitched by the Sun's eye!
When life gathers strength from the self,
The river of life expands into an ocean!
Sweet is the world of living phenomena to the living spirit,
Dear is the world of ideas to the dead spirit.
Love, which is the well-spring of life, Love to which death itself is forbidden.
Though swiftly and violently rolls the flood of time
Love itself is a flood which can stem all on-coming waves.
In Love's calendar is written not merely the passing present
But other ages too — ages that have no name!
"Love is the breath of Gabreil, Love is the prophet's heart,
Love the messenger of God, love the voice of God!
Under love's ecstasy glows brighter our mortal clay,
Love is the unripe wine, love the beautiful cup!
Love is the priest of the shrine, love the commander of the hearts
Love has not yet admitted defeat;
Why do you hesitate to give it a trial?
Love that only gives & does not demand a return but may ultimately recieve it back in undreamt of measures!

30. How aptly remarked the singing fowl,
Nestling in the tree, on an early morn:
Bring forth whatever is hid in thy breast:
A wailing, a sigh, a lament, or a song!

31. Asking disintegraters the self,
And deprives of illumination the Sinai-bush of the self
By asking, poverty is made more abject.
By beggeing, the beggar is made poorer.
He who can stalk across skies
Should not find it difficult to walk on earth!

32. Incur not an obligation to the glass-makers of the West,
Make thy own flagon and thy cup with the clay of Ind.

33. Lod into thy own clay for the fire that is lacking
The light of another is not worth striving for.

34. Never was I mendicant for another's Vision,
And looked at the world but with my own eyes.

35. You have learnt and stored up the knowledge of the strangers
And polished your face with their rouge;
You borrow luck from their ways
Till I know not whether you are yourself or some one else
Your mind is chained to their ideas;
The very breath in your throat plays on the strings of others!
Borrowed converse pours from your lips,
Borrowed desires nestle in your hearts!
How long this circling round the assembly's fire?
Have you a heart? Then burn yourself in your own fire.
An individual becomes unique through self-relalization.
A nation becomes truely itself when it is true to it.

36. When one steadly burns the midnight oil,
One gains access to the domain of knowledge and wisdom!
The world of meaning which has no frontiers
Cannot be conquered without the persistent crusade.
The save of the West anxious for display,
Borrows from her only their dance and music.
He barters his precious soul for frivolous sport;
Self-indulgently he grasps what is easy,
And his weak nature accepts it with readiness!
But the quest of what is easy in life
Proves that spirit has fled from the body!

37. How long wilt thou sue for office
And ride like children, on reeds?
A nature that fixes its gaze on the sky
Becomes debased by receiving benefits -
Albeit thou art poor and wretched
And overwhelmed by affliction,
Seek not thy daily bread from the bounty of another
Seek not waves of water from the fountain of the Sun.

38. Enslaved, life is reduced to a small rivulet, Free, it is like the boundless ocean!
How long wilt thou abide under the wings of others?
Learn to wing thy flight freely in the garden breeze.

39. How long, O heart, this burning like the moth?
How long, this aversion to the ways of true manhood?
Burn thyself once for all in thy own flame,
How long this fluttering round the stranger's fire?

40. I will tell you a subtle point, bright as a pearl
That you may distinguish between the slave and the free!
The slave is by nature repetitive,
His experiences are bereft of originality!
The free man is always busily creative.

Centenary Publications of Sir Syed Academy, published during the blessed year 2020-21

1. *Aligarh Muslim University: A Short Introduction*
2. Sharma, Vibha: *Colonel Bashir Hussain Zaidi.*
3. Fareed, Sadaf: *Nawab Sultan Jahan Begun.*
4. Sharma, Sunit Kumar: *Raja Jai Kishan Das.*
5. Abbas, Raza: *Sir Ross Masood.*
6. *Magalat-e-Sir Syed Vol I.* Edited by Maulana Mohammad Ismail Panipati
7. *Aligarh Muslim University Calendar - 1932*
8. Azmi, Altaf Ahmad: *Tafheem-e-Sir Syed.*
9. Furqan Sanbhali: *Sheikh Mohammad Abdullah (Papa Miyan).*
10. Farooqui, As'ad Faisal: *Justice Sir Shah Muhammad Sulaiman.*
11. Abbas, Raza: *Moulvi Chiragh Ali.*
12. Troll, Christian W: *The Gospel According to Sayyid Ahmad Khan (1817-1898), an annotated translation of Tabyin Al-Kalam.*
13. Troll, Christian W: *Sayyid Ahmad Khan: A Reinterpretation of Muslim Theology.*
14. *Calendar 1911-1912 of Mohammadan Anglo-Oriental College.* Compiled by Dr. Sir Ziauddin Ahmad.
15. Graham, George Farquhar Irving: *The Life and Works of Syed Ahmad Khan.*
16. Bhatnagar, Shyam Krishna: *History of the M.A.O. College, Aligarh.*

Centenary Publications of Khuda Bakhsh Library on Aligarh Movement and Sir Syed, published during the blessed year

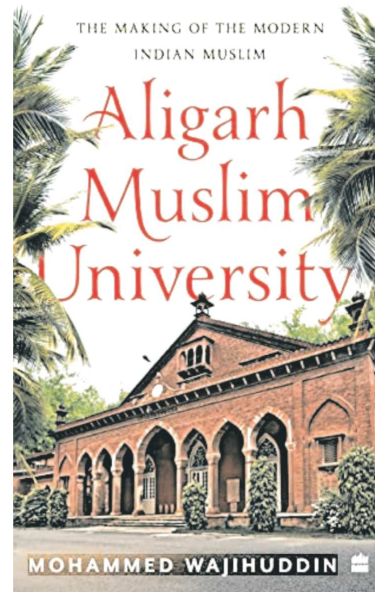
1. SIR SYED as seen by the English/Anglo-Indian Contemporaries, 1886
2. Principles of Exegesis, *by* Sir Syed, Tr. by Daud Rahbar
3. Jizya, by Shibli Nomani, published at the instance of Sir Syed
4. Sir Syed ki Deeni Barkatein, *by* Abdul Haleem Sharar
5. Aligarh Scientific Society/Aligarh Institute Gazette : the beginning years
6. Syed Hamid aur Islamiyan-e Hind par un ke Afkar
7. Risala Asbab-e Baghawat-e Hind
8. Sir Syed aur Nawab Abdul Latif Khan (Kolkata), Phir Ji Uthne Ki Koshish. Moradabad Mein Sir Syed Ka Madrasa, 1859. Kolkata Mein Nawab Abdul Latif Ki Muhammadan Lit. Soci'y 1963, *by* Dr. Asghar Abbas.
9. Hindu Makhtootat, Muslim University Aur Khudabux
10. Aligarh Movement *by* Syed Hamid

<u>Research and Reference Service : on Aligarh:</u>

11. Vice Chancellor Syed Hamid by Najma Mahmood
12. Vice Chancellor AM Khusro, *by* Muhammad Iqbal
13. Vice Chancellor AM Khusro, *his Khudabux address*
14. Vice Chancellor Dr. Aleem, *by* Muhammad Iqbal
15. Vice Chancellor Dr. Zakir Husain: select writings
16. Vice Chancellor Syed Hamid, by Muhammad Iqbal
17. *Chancellor of Aligarh* Nawab Chhatari *by* Ibn-e Saeed Khan
18. Vice Chancellor Hashim Ali, *by* Muhammad Iqbal
19. Sir Syed Aur Aligarh Tahrik Par Do Aham Tarin Ma'akhiz: *Fikr-o Nazar Aur Tahzibul Akhlaq Ka Isharia*
20. *Conference Gazette* of Riyazur Rahman Khan Sherwani: an Index (2002-16)
21. Suroor Saheb Ke *Hamari Zaban* Mein Akabir Ke Tabserey
22. *Wafayatul A'yan* : Suroor Saheb Ke Ahd Ke *'Hamari Zaban'* Mein 1974-1958 Ke Akabir KI Tarikh-ha-e Wafat
23. Khalilur Rahman Azami. Zahni Safar Ki Rudad, Taraqqi Pasandi Se Shahr-e Zaat Tak, *by* Dr. Shayesta Khan
24. *Fikr-e Nau* Aligarh, ka Isharia
25. Hindu Muslim Ittehad, by Haroon Khan Sherwani
26. Rare Manuscripts of Maulana Azad Library, AMU
27. Musaddas Madd-o-Jazr-e Islam (Khudabux Ed.) *by* Altaf Husain Hali.
28. *sArE jahAN sE achhA*, *by* Iqbal, Tr. By K.G. Saiyidain
29. Rasheed Saheb to R.K. Bhatnagar, ed. *by* Dr. Zakia Jilani

Centenary Publications of Atlantis, London (UK) & oths. on Aligarh Muslim University Celebration

1. Naqsh-e Dawam by Prof. Mukhtaruddin Ahmad, Publisher: Dr. Tariq Mukhtar
2. Hamari Union: Aligarh ki Union ki Mukhtasar Tarikh
3. Maqamat-e Dil, Aligarh ke Asatizah *by* Shah Hasan Ata
4. Farewell to Yesterday: 5 years in AMU *by* Shah Hasan Ata
5. **Aligarh Muslim University *by* Mohammed Wajihuddin, HarperCollins Pubblishers India.**



The Aligarh Muslim University (AMU) completed a hundred years in Deccember 2020. In December 1920, the Mohammedan Anglo Oriental (MAO) College founded by Sir Syed Ahmad Khan in 1877, was transformed into AMU. This helped prepare the community, devastated in the aftermath of the Revolt of 1857, for new challenges.

In time, the Aligarh Muslim University played a pivotal role in the making of the modern Indian Muslim. As Zakir Hussain, AMU alumnus, its former vice chancellor and a former President of India, said over fifty years ago, 'The way Aligarh participates in various walks of national life, will determine the place of Muslims in India's national life. The way India conducts itself towards Aligarh, will determine, largely the form which our national life will acquire in the future.

Muhammed Wajihuddin is a senior assistant editor with *The Times of India*, Mumbai. Earlier, he worked with *The Indian Express* and *The Asian Age*. A passionate lover of Urdu poetry, he is also a blogger and writes prolifically on issues that are of interest to Indian Muslims. He lives in Mumbai.

***